رسائل و مسائل

دیہات میں نماز جمعہ

پنجاب سے ایک دین دار بزرگ اپنے ایک عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"علماء احناف جمعہ کے لیے شہر کی شرط ابھی تک لگائے جاتے ہیں حالانکہ شہروں کی حالت اب ایسی ہو گئی ہے کہ وہاں دیہاتی مسلمانوں کو (جو تمدن جدید کے مکروہات سے ابھی بہت کچھ محفوظ ہیں) جانے سے جس قدر روکا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ میں ایک موضع کا مالک ہوں جس میں مسجد تعمیر کی ہے۔ اور ایک مکتب دینیات کا جاری کیا ہے۔ اردگرد کے دیہات میں تھوڑی تھوڑی اسلامی آبادی ہے۔ وہ جمعہ کے جمعہ یہاں نماز کو آجاتے ہیں اور قرآن شریف کا درس، جمعہ کا خطبہ اور کچھ وعظ سن جاتے ہیں۔ مدرس مکتب نماز یاد کراتا ہے اور جن کو صحیح یاد نہیں اُن کی نماز صحیح کراتا ہے رمضان شریف میں مجمع بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ مگر علماء اس جگہ کے جمعہ کو جائز نہیں بتاتے۔ میں جمعہ کی نماز بند کر دوں تو یہ لوگ ہرگز شہر کو نہ جائیں گے اگر ان کو کہا جائے کہ یہاں جمعہ نہیں ہو سکتا، جمعہ کے روز ظہر کی نماز پڑھ جایا کرو تو اسے کوئی نہیں مانتا۔ جمعہ کی عظمت اور ثواب ہی کا اثر ہے جس کے باعث یہ لوگ آٹھویں روز نماز پڑھنے آجاتے ہیں۔ مجھے فکر ہے کہ اگر یہاں جمعہ کی نماز نہ ہوئی تو دیہات کے لوگ اس تعلیم اور وعظ سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ یہاں سے قریب چند میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے جہاں کئی مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے۔ مگر وہاں کوئی عالم صحیح خیالات کا نہیں

جس سے کسی مفید تحریک کی امید ہو۔ اور شہر کے بازاروں میں سب کچھ وہی ہے جو آج کل سب جگہ ہے۔ اور کچھ نہیں تو جو دیہاتی وہاں جائے گا وہ کچھ نہ کچھ فضول خرچی تو کر ہی آئے گا۔ میری خواہش ہے کہ جناب اس کے متعلق ضرور کچھ نہ کچھ تحریر فرمائیں۔

ترجمان القرآن۔ جمعہ کے متعلق فقہائے متاخرین جس قسم کے فتوے دے رہے ہیں، وہ اُس جمود کی روشن مثالوں میں سے ہیں جو کتاب و سنت سے اکتساب علم کرنے کے بجائے مجتہدین سلف کے اقوال پر کلی اعتماد کرنے کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ مجتہدین سلف نے کتاب و سنت سے اکتساب علم کیا اور اپنے زمانہ کے حالات پر ان کو منطبق کرنے کی کوشش کی۔ صدیوں بعد مسلمانوں پر جو حالات آنے والے تھے لازم نہ تھا کہ ان کو بھی وہ دیکھتے اور جانتے، نہ درحقیقت ان پر بعد والوں کے لیے پیشگی اجتہاد کرنے کی کوئی ذمہ داری شرعاً یا عقلاً عائد ہوتی تھی۔ اب جو لوگ آنکھیں بند کر کے ہر ہر جزئیہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کے اقوال سے سند لے کر اسقاط فرائض اور تحلیل حرام و تحریم حلال تک کا ارتکاب کر جاتے ہیں وہ دراصل ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں جس سے خدا کے سامنے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ خدا نے ان کو قرآن و اسوۂ رسول کی پیروی کا حکم دیا ہے، نہ کہ سلف کی پیروی کا، اور سلف کی پیروی میں اگر وہ غلطی کرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری خود ان پر ہے نہ کہ سلف پر۔ سلف نے جو کچھ اجتہادات کیے تھے وہ بلاشبہ ہماری بہترین رہنمائی کرتے ہیں اور وہ شخص بھی غلطی کرتا ہے جو ان کے علم اور ان کی بصیرت کے ثمرات کو بے کار سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔ لیکن ان بزرگوں کی رہنمائی سے ٹھیک ٹھیک فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری نگاہوں کے سامنے بھی کتاب اللہ اور اسوۂ رسول اللہ کی شمع اسی طرح روشن رہے جس طرح سلف کے سامنے تھی، اور ہم بھی اس روشنی میں خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے اسی طرح کام لیں جس طرح ان بزرگوں نے لیا۔ ورنہ اگر ہم شمع کتاب و سنت کو اپنے سامنے سے ہٹا دیں اور عقل و فہم سے بھی کام نہ لیں اور صرف اقوال سلف کی حرف بحرف پیروی کرتے چلے جائیں تو ہم سے

ایسی غلطیاں سرزد ہوں گی جو دنیا اور آخرت دونوں میں ہم کو رسوا کردیں گی۔

اسی نماز جمعہ کے مسئلہ میں جو فقہی غلطیاں ہمارے مذہبی رہنماؤں سے زمانہ حال میں سرزد ہوئی ہیں ان کو ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی اقامت کا فرض عمومیت کے ساتھ مسلمانوں پر عائد کیا تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے ہم کو بتایا کہ اس فرض کو کس طرح ادا کیا جائے، کون ادا کرے، کہاں ادا کرے، کون سے اشخاص اس سے مستثنیٰ ہیں، کن حالات میں یہ فرض ساقط ہوتا ہے، وغیرہا۔ حضورؐ کے اس عمل کو دیکھ کر فقہائے امت نے مختلف احکام مستنبط کیے جن میں ایک طرف ان کی نگاہ ارشاد الٰہی اور عمل رسول پر تھی اور دوسری طرف ان حالات پر تھی جن میں وہ زندگی بسر کر رہے تھے، اور جن میں انھیں ان احکام کو نافذ کرنا تھا۔ من جملہ ان جزئی احکام کے جو انہوں نے اس طور پر مستنبط کیے، ایک یہ بھی تھا کہ "جمعہ ویرانوں اور جنگلوں اور عارضی قیام گاہوں میں نہ پڑھا جائے بلکہ مستقل بستیوں میں قائم کیا جائے"۔ یہ ایک عام ہدایت تھی جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور بعض مجمل ارشادات سے حاصل ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے غور کیا کہ بستی کی قید لگانے سے شارع کا مقصود کیا ہے اور اس کے لیے کس قسم کی بستی ہونی چاہیے۔ اس سوال کے تصفیہ کا انحصار سراسر ان کے اپنے اجتہاد پر تھا، کیونکہ اس کے متعلق کوئی صریح ہدایت ان کو نہ ملی تھی۔ نیز اس کے تصفیہ میں اس زمانہ کے تمدنی حالات کو بھی بہت کچھ دخل تھا۔ فطری طور پر ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا۔ کسی نے کہا کہ چھوٹی سے چھوٹی بستی میں بھی جمعہ پڑھا جائے جہاں کے باشندوں سے کم از کم ۱۲ مصلی بہم پہنچ سکتے ہوں۔ کسی نے کہا کہ ایسی بستی میں جمعہ قائم کیا جائے جہاں کم از کم چالیس ایسے آدمیوں کی مستقل سکونت ہو جن پر فریضہ جمعہ عائد ہوتا ہے۔ حنفیہ نے کہا کہ جمعہ کے لیے "گاؤں" کے بجائے "شہر" ہونا چاہیے اور شہر کی تعریف میں خود حنفیہ کے درمیان بکثرت اختلافات ہوئے کیونکہ ہر امام مجتہد کے ذہن میں مقصود شارع کے لحاظ سے "بستی" کا ایک علیحدہ تصور تھا اور ہر ایک نے اپنے مخصوص تصور کے مطابق شہر کی تعریف کی تھی۔ پھر اس امر میں بھی اختلاف ہوا کہ جو لوگ بستی سے دور ہوں ان کے لیے نماز جمعہ کی منادی پر

لبیک کہنا کس حد تک فرض ہے۔ کسی نے کہا کہ جس تک منادی کی آواز پہنچتی ہو اس کو آنا چاہیے۔ کسی نے کہا کہ جو دو میل کے فاصلہ پر ہو وہ آئے۔ کسی نے چار میل کہا، کسی نے چھ میل کہا۔ کسی نے کہا کہ جو شخص جمعہ کی نماز پڑھ کر رات سے پہلے تک اپنے گھر پہنچ سکتا ہو اس پر جمعہ میں شریک ہونا فرض ہے۔ اس باب میں ہر گروہ نے ایک طرف شریعت کے اصول تیسیر کی رعایت، اور دوسری طرف فرضیت جمعہ کے مصالح اور تیسری طرف اپنے زمانہ کے وسائل حمل و نقل کی حالت پر نظر کر کے اپنی اپنی فہم کے مطابق رائے قائم کی تھی اور یہ جملہ امور ان بزرگوں کے اجتہاد پر مبنی تھے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی منصوص نہ تھی۔ مگر آج ہم سے کہا جاتا ہے کہ آپ سے ہزار برس پہلے شہریت کے تصور اور وسائل حمل و نقل کی حالت اور اقامت جمعہ کے تمدنی پہلو کو پیش نظر رکھ کر فقہاء کے ایک خاص گروہ نے جو جزئیات مستنبط کیے تھے ان کو بالکل منصوص احکام کی طرح مان لو، بلکہ ان غیر منصوص اجتہادی احکام کی بنیاد پر بہرے سے اس فرض کو ساقط کر دو جو نہ صرف منصوص ہے بلکہ غایت درجہ تاکید کے ساتھ عاید کیا گیا ہے۔

ایسی ہی غلطی ہندوستان پر انگریزی تسلط کی ابتدا میں کی جا رہی تھی۔ فقہائے اسلام میں سے حنفیہ کے گروہ نے ایک دوسرا اجتہادی مسئلہ یہ بھی مستنبط کیا تھا کہ اقامت جمعہ کے لیے منجملہ اور شرائط کے ایک سلطان کا وجود بھی ہے یعنی جمعہ یا تو خود سلطانِ اسلام قائم کرے یا اس کا مقرر کیا ہوا حاکم۔ اس شرط کے مصالح پر کلام کرنے کا موقع نہیں۔ یہاں ذکر صرف یہ ہے کہ یہ شرط خواہ کیسی ہی مفید اور مبنی بر حکمت ہو بہر حال تھی ایک اجتہادی چیز کیونکہ کوئی واضح اور قطعی حکم اس کی تائید میں نہ تھا۔ مگر بہت سے علمائے اسلام نے اس کو ویسی ہی قطعی شرط سمجھا جیسی کہ ایک منصوص شرط ہو سکتی تھی۔ اور جب ہندوستان میں اسلامی حکومت کی جگہ کفار کی حکومت قائم ہوئی تو یہ حضرات تمام مسلمانان ہند پر سے فریضۂ جمعہ کو ساقط کر دینے پر آمادہ ہو گئے۔ وہ تو خدا کا شکر ادا کیجیے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے علما بھی موجود تھے جن کے سینوں کو اللہ نے علم صحیح کیلئے کھول دیا تھا ورنہ قریب تھا کہ ہندوستان سے ہمیشہ کے لیے اقامت جمعہ کا خاتمہ ہو جاتا اور آج آپ صرف پرانے بڈھوں سے سنا کرتے کہ یہاں کبھی

جمعہ کی نماز بھی ہوا کرتی تھی آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ اگر اس غلطی کا ارتکاب ہوگیا ہوتا تو مسلمانان ہند کی جمعیت کو کتنا عظیم الشان نقصان پہنچتا۔ اور کیسے سخت وبال میں یہ قوم مبتلا ہوجاتی۔ مگر ہمارے فقہاء آتنا بڑا مظلمہ اپنے سر لینے پر تیار ہوگئے محض اس اعتماد پر کہ جب خدا پوچھے گا کہ تم نے میرے مقرر کیے ہوئے فرض کو مسلمانوں کی ایک قوم پر سے کیوں ساقط کر دیا، تو ہم کہدیں گے کہ صاحب ہدایہ نے لا یجوز اقامتہا الا للسلطان او لمن امرہ السلطان لکھدیا تھا۔

اس بحث سے ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ فقہائے مجتہدین نے اپنے زمانہ میں کتاب وسنت سے شریعت کے جو احکام مستنبط کئے تھے، وہ بلاشبہ آج بھی ہمارے لیے نہایت مفید ہیں، اور آیندہ بھی مفید رہیں گے، مگر یہ سمجھنا کہ ان کے تمام جزئیات تمام زمانوں کے لیے اٹل قانون ہیں، اور یہ خیال کرنا کہ انکے اجتہادات بھی ویسے ہی ناقابل تغیر ہیں جیسے الٰہی احکام، اور یہ گمان کرنا کہ وہ قانون شرع کو مدون کرکے بعد آنے والی تمام نسلوں کو ہمیشہ کے لیے فکر ونظر کے استعمال اور تدبر فی الکتاب والسنہ سے بے نیاز کرگئے ہیں، ایک ایسی غلطی ہے جو ہم کو اتباع شریعت سے بہت دور لے جانے والی ہے۔

شریعت کا صحیح اتباع کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اجتہادی احکام اور منصوص احکام کے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے، اور اجتہادی احکام کو نافذ کرتے وقت یہ دیکھ لیا جائے کہ جس خاص حالت یا خاص زمانہ میں ہم کسی حکم کو نافذ کر رہے ہیں، اس میں یہ حکم شارع کے مقصود کو پورا کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں کرتا تو ہمیں شارع کے مقصد کو اچھی طرح ملحوظ رکھکر اس حکم میں حسب ضرورت ترمیم کرنی چاہیے، خواہ وہ ترمیم دوسرے ائمہ مجتہدین سے ماخوذ ہو یا بالکل جدید اجتہاد پر مبنی ہو۔

یہ مقدمہ ذہن نشین کرنیکے بعد اب مسئلہ زیر بحث کی طرف رجوع کیجیے۔ یہ سوال کہ جمعہ کی نماز دیہات میں قائم کی جائے یا نہیں، بظاہر ایک بہت ہی جزئی سوال ہے، اور علمائے کرام عموماً اس کے جواب میں

صرف اتنا کہدینا کافی سمجھتے ہیں کہ لا یجوز کما فی الھدایہ یا یجوز کما فی المدونہ مگر درحقیقت اس کو ٹھیک ٹھیک حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے جمعہ کی شرعی حیثیت، اور اقامت جمع سے شارع کے مقصود کو سمجھا جائے، پھر یہ دیکھا جائے کہ کتاب اللہ و سنت رسول میں اقامت جمعہ کے متعلق کیا ہدایات دی گئی ہیں اور ان ہدایات میں کیا مصالح پوشیدہ ہیں، نیز اس امر کی تحقیق کی جائے کہ ان ہدایات کی بنا پر اقامت جمعہ فی القریٰ کے جواز و عدم جواز میں ائمہ مجتہدین کے درمیان جو اختلافات ہوئے ہیں، ان میں سے ہر ایک گروہ نے شارع کے پیش نظر مقاصد و مصالح کو کس حد تک ملحوظ رکھا ہے اب انہی مقاصد و مصالح کے لحاظ سے یجوز اور لایجوز میں سے کونسا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔

شریعت اسلامی کے احکام میں تدبر کرنے سے یہ بات ہم کو واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ شریعت درصل متقین و صالحین کی ایک ایسی جماعت بنانا چاہتی ہے جو زمین میں خلافت الٰہی کے فرائض کو ادا کرے، اور ایک ایسا تمدن وجود میں لائے جس میں انسانی فطرت کی بھلائیوں کو نشو و نما دینے اور برائیوں کو دبا دینے کی قوت ہو۔ اس بنیادی مقصد کی وجہ سے شریعت کے تمام احکام کا رجحان اجتماعیت کی طرف ہے۔ وہ اگرچہ اپنی پوری قوت افراد کے تزکیہ و تصفیہ پر صرف کرتی ہے، مگر اس کام میں اس کے پیش نظر محض فرد کو بحیثیت فرد پاک کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اسے پاک کر کے ایک بہترین سوسائٹی کی رکنیت کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے افراد کے تزکیہ کے لیے جتنی تدبیریں اختیار کی ہیں وہ کم و بیش سب کی سب ایسی ہیں جو فرداً فرداً ان کا تزکیہ بھی کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ان کو باہم جوڑ کر ایک اعلیٰ درجہ کی جماعت بھی بناتی ہیں۔ مثال کے طور پر روزے کو لیجیے۔ یہ بجائے خود صرف فرد کے تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہے لیکن شارع نے ایک ہی زمانہ میں تیس دن کے روزے تمام مسلمانوں پر فرض کیے تاکہ وہ اسی مزکّی و مطہر حالت میں اس اجتماعی عبادت کے ذریعہ صالحین و متقین کی ایک جماعت بن جائیں۔ زکوٰۃ کو دیکھیے اس کی تو بنیاد ہی

اجتماعیت پر ہے۔ یا ایک نفس کا تزکیہ ہی اس طرح کرتی ہے کہ وہ دوسرے نفس یا نفوس کی امداد و اعانت کرے۔ حج کو دیکھیے! اس میں اجتماع کا پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ اس کو نمایاں کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ ان سب کے بعد نماز کو لیجیے جو ان سب سے زیادہ اہم ہے اور افراد کو صلاح و تقویٰ کی تربیت دینے کے لیے سب سے زیادہ کارگر تدبیر ہے کہ ہر روز پانچ مرتبہ وہ کام کرتی ہے جو سال میں تیس ۳۰ مرتبہ روزہ، اور سال میں ایک مرتبہ صدقہ اور عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرتا ہے۔ اس عبادت میں بھی شارع نے تربیت افراد کے ساتھ اپنے اصل مقصد یعنی مدنیت صالحہ کی تاسیس اور جماعت متقین کی تنظیم کو پیش نظر رکھا ہے۔ وہ روزانہ پانچ مرتبہ نماز کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیتا ہے، تاکہ کم یا زیادہ جتنے بھی مسلمان کہیں جمع ہوں یا جمع ہو سکتے ہوں وہ سب ملکر فریضہ ادا کریں۔ پھر وہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ایک خاص وقت اس غرض کے لیے مقرر کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان یکجا مجتمع ہوں اور مل کر باقاعدگی کے ساتھ خدا کا ذکر کریں اور اس کی عبادت بجا لائیں۔ اس ہفتہ وار اجتماع کے بعد وہ ہر سال اختتام ماہ صیام اور یادگار اسوۂ ابراہیمی جیسے اہم نفسیاتی مواقع پر ان کو اجتماع عام کی دعوت دیتا ہے، تاکہ اسی عمارت کی تکمیل ہو جس کی نماز پنجگانہ تاسیس کرتی ہے اور نماز جمعہ توسیع و ترصیص۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تمام عبادات میں شارع کا رجحان اجتماعیت کی جانب ہے، اور وہ ہر عبادت میں موقع و محل کی مناسبت کے لحاظ سے انفرادیت اور انتشار کو زیادہ سے زیادہ گھٹانے اور اجتماعیت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ نماز پنجگانہ میں اس کا موقع نہ تھا کہ جماعت کو فرض کر دیا جاتا، کیونکہ ہر روز ہر شخص کے لیے پانچ مرتبہ جماعت کے التزام کو فرض کر دینے میں بہت زیادہ حرج تھا۔ اس لیے صرف جماعت کی تاکید کر کے چھوڑ دیا گیا اور اجازت دے دی گئی کہ جو شخص باجماعت ادا نہ کر سکے وہ تنہا پڑھ لے۔ یہ ڈھیل جو شخصی حالات و ضروریات کے لحاظ سے دی گئی تھی اس کی تلافی کے لیے ہفتہ میں ایک مرتبہ ایک ایسی نماز فرض کی گئی جو بغیر جماعت کے

ادا ہی نہیں ہوتی یہی نماز جمعہ ہے، اور یہ فرض چونکہ اُس رعایت کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے عائد کیا گیا ہے جو نماز پنج گانہ میں انفرادیت اور انتشار کو بڑی حد تک راہ دیتی ہے، اس لیے شارع کا منشا یہ ہے کہ اس فرض کو ادا کرنے میں زیادہ سے زیادہ اجتماع ہو اور جہاں تک ہو سکے تفرق اور انتشار کو دور کیا جائے۔

اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت پر کتاب وسنت میں اس قدر زور کیوں دیا گیا ہے اور اس کی اقامت کو اتنی اہمیت کس لیے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (الجمعہ: ۲)	اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز کے لیے ندا کی جائے تو دوڑو خدا کی یاد کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لقد هممت ان امر رجلا يصلي بالناس ثم احرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم۔ (مسلم)	میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر جاؤں اور ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعہ کی نماز کے لیے نہیں آتے۔
مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غير ضرورة كتب منافقا في كتاب لا يمحى ولا يبدل (رواہ الشافعی)	جو شخص بلا ضرورت جمعہ چھوڑ دے اس کا نام منافق کی حیثیت سے اُس کتاب میں لکھا جائے گا جس کا لکھا نہ مٹایا جا سکتا ہے نہ بدلا جا سکتا ہے۔
مَنْ كَانَ يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة .... فمن استغنى بلهو	جو کوئی اللہ اور روز آخرۃ پر ایمان رکھتا ہو اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ لازم ہے .... پھر جو کسی کھیل

او تجارة استغنی اللہ عنہ واللہ غنی حمید (دار قطنی)۔	تماشے یا کاروبار کی خاطر اس سے بے پروائی برتے اللہ اس سے بے نیازی برتے گا اور وہ پاک بے نیاز ہے۔
لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات او لیختمن اللہ علی قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین (مسلم)۔	لوگ جمعہ کی نمازیں ترک کرنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر وہ غفلت میں مبتلا ہو جائیں گے۔
من ترک ثلث جمعات من غیر عذر کتب من المنافقین۔	جو شخص بغیر کسی عذر کے تین جمعے چھوڑ دے اس کا نام منافقین میں لکھا جائے گا۔

یہ جمعہ کے لیے دوڑنے اور کاروبار چھوڑنے کی تاکید کیوں ہے؟ یہ نبی کریم جیسے رؤف و رحیم آقا کے دل میں تارکین جمعہ کے گھروں کو آگ لگا دینے کا جذبہ کس لیے پیدا ہو رہا ہے؟ آخر جمعہ میں کیا ہے جس کی وجہ سے ترک جمعہ اور نفاق کو ہم معنی قرار دیا گیا اور اس پر اتنی سخت وعیدیں بیان فرمائی گئیں؟ اس کی علت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ جمعہ ہی کی اقامت امت مسلمہ کا قوام ہے اور اسی نماز پنجگانہ کے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس سے اسلام کا اصل مقصد حاصل ہوتا ہے یعنی مدنیت فاضلہ و جمعیت صالحہ کی تشکیل۔ اس کا ضائع ہونا گویا اسلام کے مقصد کا ضائع ہونا ہے۔ اور اس کی بنا کو منہدم کرنا اسلام کی عمارت کو ڈھا دینا ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے دو باتیں معلوم ہو گئیں:۔

ایک یہ کہ جمعہ کی فرضیت عام نمازوں کی فرضیت سے زیادہ موکد ہے اور اس کی اقامت اسلام کے مقاصد اصلیہ کی تکمیل کے لیے غایت درجہ اہمیت رکھتی ہے، لہذا فروعی و اجتہادی مسائل میں ان پہلوؤں سے بچنا چاہیے جن سے جمعہ ضائع ہوتا ہو اور ان پہلوؤں کو اختیار کرنا چاہیے جن سے جمعہ قائم ہوتا ہو۔

دوسرے یہ کہ اقامت جمعہ میں شارع کے پیش نظر مدنیت و اجتماعیت ہے، اور وہ اس ذریعے

وحشت اور انتشار کو دور کرکے اہل ایمان کو اجتماع اور اختلاف کی طرف لانا چاہتا ہے۔ لہٰذا جمعہ کو قائم کرنے میں اس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جماعتیں منتشر نہ ہوں بلکہ زیادہ سے زیادہ اجتماع ہو۔

اب آگے بڑھیے کتاب اللہ میں جمعہ کی فرضیت اور اس کی تاکید تو اس قوت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ اس کی طرف دوڑنے اور اس کے لیے سب کاروبار چھوڑ دینے کا حکم ہے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ مگر ان سوالات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی کہ یہ نماز کب پڑھی جائے۔ کہاں پڑھی جائے اور کہاں نہ پڑھی جائے، کون پڑھے اور کون نہ پڑھے، کن حالات میں پڑھی جائے اور کن میں نہ پڑھی جائے، ان سب سوالات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر چھوڑ دیا گیا اور اہل ایمان سے صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ جب پکارا جائے جمعہ کی نماز کے لیے۔

مذکورہ بالا سوالات کے متعلق تفصیلی ہدایات ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے متواتر عمل سے ملتی ہیں:۔ اور مزید روشنی ان بزرگوں کے اقوال و اعمال سے حاصل ہوتی ہے جنہوں نے براہ راست حضور سے تعلیم پائی تھی۔ ان ذرائع سے ہم کو قطعی طور پر جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جمعہ کی نماز ہمیشہ ظہر کے وقت پڑھی ہے۔ لہٰذا جمعہ کا وقت ظہر کا وقت ہے۔

(۲) آپ نے اور آپ کے صحابہ نے کبھی خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں پڑھا۔ لہٰذا جمعہ کی نماز کیساتھ خطبہ ضروری ہے۔

(۳) جمعہ کی فرضیت سے غلام عورتیں بچے مسافر اور مریض مستثنیٰ ہیں۔ فرض جن پر عائد ہوتا ہے وہ صرف ایسے عاقل و بالغ مرد ہیں جو آزاد ہوں اور صحیح و تندرست ہوں۔

(۴) عہد نبوی اور عہد صحابہ میں جمعہ کبھی دیرانوں اور جنگلوں اور عارضی فرودگاہوں (خیام وغیرہ)

میں نہیں پڑھا گیا، لہٰذا اقامت جمعہ کیلیے ایسی جگہ ہونی چاہیے جہاں مستقل آبادی ہو۔

(۵) جمعہ کبھی پرائیویٹ مکانوں میں نہیں پڑھا گیا بلکہ ہمیشہ ایسی جگہ پڑھا گیا ہے۔ جہاں مسلمانوں کو حاضر ہونے کی آزادی ہو، لہٰذا جمعہ کے لیے اذن عام ضروری ہے۔

یہ وہ امور ہیں جن پر تمام امت کا اتفاق ہے، کیونکہ یہ قطعی طور پر ثابت ہیں، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ ان کے علاوہ جتنے جزئی امور ہیں ان میں سے کوئی بھی قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ اس لیے ان میں فقہاء کے درمیان بکثرت اختلافات ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ نصاب جماعت کیا ہو؟ جمعہ کون قائم کرے؟ خطبے دو ہونے چاہئیں یا ایک کافی ہے؟ وھلم جرّا۔ اسی قبیل سے ایک سوال یہ بھی ہے کہ جمعہ کے لیے کس قسم کی بستی ہونی چاہیے اور اس بستی سے کتنے فاصلہ تک کے لوگوں کو نماز کے لیے آنا چاہیے۔

امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ ایسے قریوں میں جمعہ ناجائز ہے جن کے باشندے گرمی یا جاڑے میں کہیں اور منتقل ہو جاتے ہوں۔ ان کے سوا ایسے تمام قریوں میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے جن میں چالیس یا اس سے زیادہ عاقل و بالغ آزاد مرد موجود ہوں۔ اس کی تائید میں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو ابن عباس سے مروی ہے کہ مدینہ کے بعد پہلا جمعہ جو پڑھا گیا وہ بحرین کے ایک قریہ جواثی میں تھا۔ نیز وہ روایت بھی ان کے لیے دلیل ہے کہ حضرت عمر نے اہل بحرین کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ جمعہ ادا کرو جہاں کہیں بھی ہو۔ مگر ان میں سے پہلی روایت میں محض قریہ کا لفظ ہے جس کا کوئی مفہوم متعین نہیں کم از کم اس سے چالیس مردوں کی قید تو کسی طرح نہیں نکلتی اور ہم کچھ نہیں جانتے کہ امام صاحب کے نزدیک اس قید کا ماخذ کیا ہے۔ رہی دوسری روایت تو وہ جس قدر امام صاحب کی تائید میں ہے۔ اسی قدر ان کے خلاف بھی ہے۔ اس سے تو جنگل اور ویرانے میں بھی اقامت جمعہ کا جواز نکالا جا سکتا ہے، حالانکہ امام صاحب اس کے ناجائز ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔

امام احمد کا مسلک۔ امام شافعی سے ملتا جلتا ہے اور ان کے دلائل بھی وہی ہیں۔

امام مالک کے نزدیک جمعہ کی نماز ہر ایسے قریہ میں ہو سکتی ہے جس کی آبادی مستقل ہو، خواہ اُسکی آبادی چالیس مردوں سے بھی کم ہو۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ جمعہ صرف مصر یعنی شہر میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ دیہات میں قائم کرنا جائز نہیں۔ ان کا استدلال ایک تو اس روایت سے ہے جو حضرت علی سے منقول ہے کہ لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع۔ نیز وہ اس بات سے بھی دلیل لاتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب ممالک فتح کیے تو دیہات میں کہیں بھی منبر نصب نہیں کیے۔ یہ گویا جمعہ کے لیے مصر کے شرط ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے لیکن مصر کی تعریف میں خود حنفیہ کے درمیان بہت اختلافات ہیں حتیٰ کہ خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بھی دو مختلف قول ہیں۔ مثال کے طور پر چند اقوال ملاحظہ ہوں:۔

(۱) مصر جامع وہ ہے جہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرے اور حدود جاری کرے۔

(۲) جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر سب باشندے جمع ہوں تو سما نہ سکیں۔

(۳) جہاں بازار اور شوارع اور محلے ہوں اور کوئی حاکم ایسا ہو جو ظالم سے مظلوم کا انصاف لے، اور کوئی عالم ایسا ہو جس کی طرف مسائل میں رجوع کیا جا سکے۔

(۴) امام جس مقام کو مصر قرار دے اور اقامت جمعہ کا حکم کرے۔

(۵) جہاں ہر پیشہ کا آدمی اپنے پیشہ سے بسر اوقات کر سکتا ہو۔

(۶) جس کی آبادی دس ہزار ہو۔

(۷) جس کی آبادی تین ہزار سے کم نہ ہو۔

اس قسم کی بیسیوں تعریفیں اور بھی ہیں جو فقہاء نے بیان کی ہیں۔

اب یہ امر غور طلب ہے کہ اول تو "مصر" کے شرط ہونے پر امت کا اجماع نہیں بلکہ محدثین اور

فقہاء کی ایک کثیر جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے، دوسرے یہ شرط اگر ثابت بھی ہو تو واضح طور پر یہ معلوم نہیں کہ مصر کہتے کس کو ہیں۔ ایسی حالت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کی مختلف فیہ اور مبہم شرط کے فقدان پر کیا نماز جمعہ جیسے موکد اور اہم فریضہ کو مسلمانوں پر سے ساقط کر دینا درست ہے؟ جو لوگ صرف فقہائے متقدمین کی عبارات پر اعتماد کرتے ہیں، اور جن کی نظر کتب فقہیہ کے الفاظ سے آگے نہیں جاتی ان کے لیے یہ فتویٰ دینا بہت آسان ہے کہ فلاں مقام چونکہ "مصر" نہیں ہے لہٰذا وہاں کے باشندوں پر سے جمعہ کا فرض ساقط ہے لیکن ایک طرف تقویٰ اور دوسری طرف تفقہ اس کا مقتضی ہے کہ اسقاطِ فرض کی جرأت کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے اختلافات کا منشا کیا ہے۔ اور انہوں نے شارع کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے جو مختلف صورتیں اختیار کی ہیں ان کی اصلی روح کیا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں اقامت جمعہ میں دو امور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک جمعہ کی فرضیت، جو عام نمازوں سے بھی زیادہ موکد ہے، اور ہر عاقل بالغ آزاد اور تندرست مرد پر عائد ہوتی ہے۔ دوسرے اجتماعیت جس کا مقصد انتشار کو دور کرنا اور مسلمانوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ اجتماع اور تالف پیدا کرنا ہے۔ ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک نے ان دونوں پہلوؤں پر نظر رکھی ہے، اور دونوں کو مرعی رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن اس معاملہ میں اشکال یہ واقع ہوتا ہے کہ بعض حالات میں یہ دونوں پہلو جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر فرضیت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے تو اجتماعیت کا پہلو چھوٹ جاتا ہے، کیونکہ فرضیت کا تقاضا یہ ہے کہ دو چار آدمی بھی جہاں موجود ہوں، وہیں فرض ادا کر دیا جائے۔ اور اگر اجتماعیت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے تو فرضیت کا پہلو کمزور ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں کافی اجتماع نہ ہو وہاں افراد پر سے فرض ساقط کر دیا جائے۔ ائمہ مجتہدین نے اس اشکال کو دور کرنے کے لیے دونوں پہلوؤں میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ امام شافعی اور

امام احمد نے چالیس کو شارع کا دوسرا مقصد پورا کرنے کے لیے کافی سمجھا چنانچہ ہر ایسے قریہ میں اقامت جمعہ کا حکم دیدیا جہاں اجتماع کا یہ نصاب پورا ہوتا ہو، اور فتویٰ دیا کہ اس قریہ سے جہاں جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہو وہاں کے ہر بالغ اور آزاد مرد پر نماز کے لیے آنا فرض ہے۔ امام مالک اجتماع کے لیے کم سے کم ۱۲ آدمیوں کی موجودگی کو کافی سمجھتے ہیں، اس لیے انہوں نے اور بھی زیادہ چھوٹے قریوں میں اقامت جمعہ کا حکم دیا اور ان سب لوگوں پر جمعہ کی حاضری لازمی قرار دی جو مقام جمعہ سے چھ میل کی حد میں ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے محسوس کیا کہ اس طرح قریہ قریہ میں اقامت جمعہ کی اجازت دینے سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور اجتماع سے شارع کا جو مقصد ہے وہ پوری طرح حاصل نہیں ہوتا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ عراق و شام وغیرہ ممالک میں، جہاں عہد صحابہ کے آثار اس وقت تک بالکل تازہ تھے، کہیں دیہات میں منابر اور جوامع نہیں پائے جاتے۔ ان تک حضرت علی کا وہ اثر بھی پہنچا جس میں تصریح ہے کہ جمعہ صرف امصار (شہروں) میں قائم کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی سنا کہ جب حجاج نے اھواز میں جمعہ قائم کیا تو امام حسن بصری نے فرمایا لعن اللہ الحجاج یترک الجمعۃ فی الامصار ویقیمھا فی حلاقیم البلاد" خدا کی لعنت ہو حجاج پر یہ کم بخت شہروں کو چھوڑ کر ملک کے گوشوں میں جمعہ قائم کرتا ہے" ان سب باتوں پر نظر کرکے انہوں نے فتویٰ دیا کہ ہر علاقہ کے صدر مقام میں جمعہ قائم کیا جائے اور جن جن لوگوں پر جمعہ کا فرض عائد ہوتا ہو وہ سب مضافات سے صدر مقام پر اکٹھے ہو جایا کریں۔

اب ہمیں ایک نظر اس زمانہ کے حالات پر بھی ڈالنی چاہیئے وہ اسلامی حکومت کا زمانہ تھا جگہ جگہ پرگنوں اور قصبوں میں قاضی اور اصحاب شرط (کوتوال) مقرر تھے جو خصومات کے فیصلے کرتے اور مظالم کی دادرسی کرتے تھے۔ ایک کثیر جماعت کے مجتمع ہونے میں چونکہ فتنہ و فساد پیدا ہونیکا بھی احتمال ہے اس لیے اجتماع کی غرض سے ایسی ہی جگہ زیادہ مناسب تھی جہاں امن قائم کرنے والے موجود

ہوں۔ پھر اکابر احناف کا زمانہ وہ تھا جب عراق اور الجزیرہ اور فارس وغیرہ ممالک کی آبادی بہت زیادہ اور گھنی تھی۔ قصبات اور دیہات کثرت آبادی کے سبب سے باہم پیوستہ ہو گئے تھے۔ تمدن بھی انتہائی عروج پر تھا۔ صنعت وحرفت اور تجارت کے فروغ نے قصبوں کو بھی شہر بنا دیا تھا۔ انہی وجوہ سے "شہر" کی وہ تعریفیں کی گئیں جو آپ نے اوپر دیکھی ہیں۔ ورنہ فی نفسہٖ قاضی اور کوتوال یا بازار اور شوارع یا دس ہزار اور تین ہزار کی آبادی کو فرضیت جمعہ کے اشتراط میں کوئی بھی دخل نہیں۔ اصل شرط "مصر" ہے۔ اور اس کے مدلول کو متعین کرنے کے لیے ہر فقیہ مجتہد نے وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو اس کے پیش نظر امصار میں پائی جاتی تھیں۔ ان خصوصیات سے قطع نظر کرکے اگر دیکھا جائے کہ وہ چیز کیا ہے جس کی بنا پر "مصر" کو شرط جمعہ قرار دیا گیا ہے، تو معلوم ہوگا کہ وہ "مرکزیت" اور صرف مرکزیت ہے۔ جو مقام کسی علاقہ کا صدر مقام ہو یا جمعہ کی غرض کیلیے صدر مقام بنا لیا جائے وہ "مصر" ہے اور اس کے سوا دوسرے مقامات پر اقامت جمعہ کا ناجائز ہونا اس معانی میں نہیں ہے کہ ان مقامات کے لوگوں سے جمعہ کا فرض ساقط ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو جمعہ کے لیے صدر مقام پر آنا چاہیے۔ اگر بغیر عذر شرعی کے وہ نہ آئیں گے تو گنہگار ہوں گے۔

اس باب میں فقہا حنفیہ کے اقوال کی چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی شرط عائد کرنے اور دیہات میں اقامت جمعہ کو ناجائز قرار دینے سے ان کا منشا بھی وہی تھا جو ہم نے سمجھا ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:۔

ولو مصر الامام موضعاً وامرھم بالاقامة فیه جاز (فتح القدیر ج ا ص ۴۰۹)

اگر امام کسی مقام کو مصر قرار دے اور لوگوں کو جمعہ پڑھنے کا حکم دے تو جائز ہوگا۔

یہاں "مصر قرار دینے" کا مجاز امام کو ٹھیرایا گیا ہے، اس لیے کہ صحیح معنوں میں اسلامی زندگی

بغیر امام اور امیر کے ہو نہیں سکتی۔ لیکن جہاں بدقسمتی سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں امامت و امارت کا منصب باقی نہ رہا ہو، وہاں امام مالک رحمۃ اللہ کے اصول پر مسلمانوں کی جماعت باہمی اتفاق سے وہ سب کام کر سکتی ہے جو شرع میں امام سے متعلق کئے گئے ہیں، یعنی بالفاظ دیگر ایسے حالات میں مسلمانوں کا اتفاق رائے امام کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ پس اگر ایک دیہاتی علاقہ کے مسلمان باہمی اتفاق سے اپنے علاقہ کے کسی بڑے گاؤں یا قصبہ کو جہاں مسلمانوں کی آبادی نسبتاً زیادہ ہو اور جہاں کوئی بڑی مسجد بھی موجود ہو، جمعہ کی اغراض کے لیے "مصر" قرار دے لیں تو وہ مقام "مصر" ہی ہوگا خواہ اس پر مصر کی اُن تعریفات میں سے کوئی تعریف صادق نہ آئے جو کتب فقہیہ میں مذکور ہیں۔

آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں:

ومن كان في توابع المصر فحكمه حكم اهل المصر في وجوب الجمعة عليه بان ياتي المصر فليصليها فيه و اختلفوا فيه فعن ابي يوسف ..... انها تجب في ثلثة فراسخ وقال بعضهم قدر ميل وقيل قدر ميلين وقيل ستة اميال وعن مالك ستة وقيل ان امكنه ان يحضر الجمعة ويبيت باهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة والا فلا قال في البدائع و هذا حسن (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۱۱)

اور جو شخص مصر کے مضافات کا رہنے والا ہو اُس پر بھی اہل مصر کی طرح جمعہ فرض ہے اور لازم ہے کہ وہ وہاں جا کر نماز پڑھے۔ مضافات کی حدیں فقہا کے درمیان مختلف ہے ابو یوسف کہتے ہیں ..... کہ وہ تین کوس کی حد میں واجب ہے۔ بعض نے ایک میل، بعض نے دو میل، بعض نے چھ میل کی حد قرار دی ہے۔ امام مالک نے بھی ۶ میل کہا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ میں شریک ہونے کے بعد رات آنے سے پہلے بلا کسی زحمت و تکلیف کے اپنے گھر پہنچ سکتا ہو اس پر جمعہ کی حاضری واجب ہے ورنہ نہیں۔ صاحب بدائع نے اسی قول کو پسند کیا ہے

بعض احادیث سے بھی اس موخر الذکر قول کی تائید نکلتی ہے۔ چنانچہ ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

عَنِ النبی صلعم قال الجمعۃ من آواہ اللیل الی اھلہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو رات تک اپنے بال بچوں میں پہنچ سکتا ہو۔

بخاری میں ہے:۔

عن عائشۃ زوج النبی قالت کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم وَ العوالی فیاتُون فی الغبار فیصیبھُم الغبار والعرق فیخرج منھم العرق فاتی رسول اللہ صلعم انسان منھم وھو عندی فقال لو انکم تطھرتم لیومکم ھٰذا۔	حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ لوگ اپنی فرودگاہوں اور عوالی سے نماز جمعہ کے لیے آیا کرتے تھے اور ان پر گرد اور پسینہ کی تہیں چڑھ جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان تشریف رکھتے تھے کہ ان لوگوں میں سے ایک شخص آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا بہتر ہو اگر تم اس دن غسل کر لیا کرو۔

پہلی حدیث تو صاف ہے رہی دوسری حدیث تو اس میں یہ ذکر ہے کہ لوگ شرکت جمعہ کے لیے عوالی سے آیا کرتے تھے۔ عوالی ان دیہات کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کے مضافات میں واقع تھے اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ دیہات مدینہ سے چار میل اور اس سے زیادہ مختلف فاصلوں پر تھے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ عوالی سے اونٹ پر یا پیدل جمعہ کے لیے آتے ہوں گے وہ اس یک زر میں شام کے لگ بھگ ہی اپنے گھروں کو واپس پہنچتے ہوں گے۔ یہ اس زمانہ کی کیفیت ہے جب بسیں اور لاریاں نہ چلتی تھیں سائکلیں اور موٹر سائکلیں بھی نہ تھیں۔ ریل کا بھی وجود نہ تھا۔ پختہ سڑکیں تک نہ تھیں۔ اس زمانہ میں جب لوگوں کو چھ چھ میل کے فاصلوں سے آنے کے لیے کہا گیا تو آج جبکہ حمل و نقل کی آسانیاں بہت بڑھ گئی

ہیں لوگوں کے لیے بیس بیس میل سے بھی جمعہ کے لیے آنا کچھ مشکل نہیں تاہم اختلاف احوال کو پیش نظر رکھکر یہ مناسب نہیں کہ فاصلہ کی مقدار میلوں کے حساب سے متعین کی جائے بلکہ وہی قید بہتر ہے جو شارع نے بیان فرمائی ہے، یعنی جو شخص نماز کے بعد مغرب تک اپنے گھر بآسانی پہنچ سکتا ہو وہ اپنے علاقہ کے صدر مقام میں جاکر جمعہ پڑھے، اور جو نہ پہنچ سکتا ہو وہ اپنے ہی گاؤں میں ظہر پڑھ لیا کرے۔

اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقہاء کرام نے مصر کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ بالکل ناقابل لحاظ نہیں ہیں کسی دیہاتی علاقہ کے مسلمان جب اپنے علاقہ کے کسی قصبہ کو جمعہ کی اغراض کے لیے "مصر" قرار دینا چاہئیں تو انھیں انتخاب میں حسب ذیل امور کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

(۱) وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہو۔

(۲) کوئی بڑی مسجد موجود ہو جس میں زیادہ سے زیادہ اجتماع ہو سکتا ہو۔

(۳) کوئی ایسا عالم موجود ہو جو مسائل شرعیہ کی تعلیم دے سکے اور وعظ و تذکیر کی اچھی قابلیت رکھتا ہو۔

(۴) جہاں سرکاری حکام میں سے کوئی ایسا حاکم موجود ہو جو امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ہو۔

یہ امور اقامت جمعہ کے شرائط میں سے نہیں ہیں، بلکہ مقام جمعہ کے انتخاب میں ان کو ملحوظ رکھنا انسب اور اولیٰ ہے۔ ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

توحید وسنت کا علمبردار الفرقان (بریلی)

الفرقان دین الٰہی کا مبلغ، ملت اسلامیہ کا بیباک محافظ، مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کا بہترین مناظر، چھوٹے بڑے اجیلی ہو لویوں کے لیے موت کا پیغام ہے۔ کتاب و سنت اور اصول فطرت کی روشنی میں دین حق کی تائید و حمایت اور مذہب باطلہ کی تردید و مخالفت اس کا نصب العین اور اخلاقی مسائل پر انتہائی متانت اور بے نظیر سنجیدگی کے ساتھ بحث کرتا ہے۔

الفرقان۔ کا ادبی معیار بھی نہایت بلند ہے۔ دوسرے مذہبی صحائف میں جن کی نظیر ملنی دشوار ہے اگر آپ ہندوستان میں توحید و سنت کا بقاء و تحفظ چاہتے ہیں تو آج ہی کی تاریخ سے الفرقان کے خریدار بن جائیے اور حمایت ملت و احیاء سنت کے فریضہ میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔ (سالانہ چندہ کاغذ قسم اول ۲ روپے، قسم دوم ۱ روپیہ ۸ آنے)

(مینجر الفرقان بریلی (یوپی)